Globethics Repository

Iqtisadiyat islam: Tashkil jadid (Islamic economics: New construct) PART 2

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-07-15 02:23:33
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/188551

باب دوم

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجاً

(المائدة، ۵:۴۸)

اِسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اُصول وضوابط

www.MinhajBooks.com

کسی تصور سے متعلق قواعد وضوابط کی آپس میں اس طرح کی ترتیب وتشکیل کہ ان میں گہرا ربط قائم ہو جائے نظام کہلاتا ہے۔ لغوی و اصطلاحی اعتبار سے کسی تصور کے اجزائے ترکیبی اور اصول وضوابط کو اس طرح مرتب کرنا کہ ان میں وحدت کا عنصر نمایاں ہو جائے نظام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ کسی بھی نظام کو کامیابی سے چلانے کے لئے اس کے اصول وضوابط ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جن کی غیر موجودگی میں اس نظام کے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے اور وہ نظام بیکار ثابت ہوتا ہے۔ دورِ حاضر میں کئی نظامِ معیشت رائج ہیں لیکن ''اسلامی نظامِ معیشت'' کے سوا باقی تمام نظام انسان کا معاشی مسئلہ حل کرنے سے قاصر رہے ہیں، کہیں افراط وتفریط ہے تو کہیں انسان کو محض مشینی پرزہ (Cog of Machine) بنا دیا گیا ہے یا پھر اس کی اخروی زندگی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت ایک ایسا منصفانہ نظام ہے جس میں ہر شخص کی اخلاقی، معاشرتی اور معاشی بہبود کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام کا متبادل کوئی اور نظام ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی کسی اور نظام کو اس کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظام ہر لحاظ سے یکتا، امتیازی حیثیت کا حامل اور انتہائی جامع ہے۔ چنانچہ اس نظام اور اس کی عملی تنفیذ کے لئے اس کی تعلیمات کا ادراک بہت ضروری ہے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آج کے انسان کا اصل مسئلہ محض صنعتی ترقی کا حصول یا پیداوار میں اضافہ ہے۔ بلاشبہ صنعتی ترقی اور معاشی پیداوار میں اضافہ بڑی ضروری چیز ہے مگر اس سے بھی زیادہ ضروری مسئلہ پورے معاشی نظام کا ہے اور درحقیقت خود معاشی ترقی

(Economic Development) کا انحصار بھی اسی مجموعی نظام پر ہے جس کی وجہ سے معاشی ترقی کا حصول ممکن ہوتا ہے کیونکہ اس سے ہٹ کر معاشی ترقی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ زرعی پیداوار، صنعتی اشیاء اور خدمات میں اضافہ معاشی ترقی اور خوشحالی کا مقصدو منتہا تو ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک خوشحال، بہترین اور پرامن معاشرے کا قیام بھی ضروری ہے۔ پروفیسر وی۔ اے۔ ڈیمنٹ کے الفاظ میں:

> Industrial development enriches a community which is sound in its agriculture, its domestic and craft life, and in its spiritual robustness.(1)

> ”صنعتی ترقی اسی معاشرے کی خوشحالی کا باعث بن سکتی ہے جس کی زرعی بنیادیں مستحکم ہوں، بنیادی اور گھریلو حرفت مضبوط ہو اور جس میں روحانی قوت بھی پائی جاتی ہو۔“

اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ای۔ ڈی۔ ڈومر کہتے ہیں:

> ”معاشی ترقی کا انحصار معاشرے کی روح پر ہوتا ہے اور ترقی کے کسی بھی تشریحی نظریئے کو اپنے اندر معاشرے کے طبعی ماحول، سیاسی ڈھانچے، ترغیبات، تعلیمی نظام اور قانونی نظام کو جگہ دینی چاہیے نیز اس کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ اس معاشرے کے افراد کا سائنس، معاشرتی تبدیلیوں اور ارتکازِ دولت کے بارے میں کیا رویہ ہے۔“(۲)

ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم دورِ حاضر میں مستعمل اور رائج معاشی نظام کو تبدیل کر کے ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالیں جو ہماری معاشی ضروریات کو پورا کر سکے نیز ہمارے

(1) Prof. V.A. Demant, *Religion and Decline of Capitalism* , Newyork, USA, 1952, p.147

(2) E.D.Domar, Economic Growth: An Economic Approach, American Economic Review, Vol.XVII, No.2, May,1952, p.481

تمدن، ہماری اقدارِ حیات اور ہمارے نظریۂ زندگی کے مطابق ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نیا نظام کیا ہو؟ ہماری یہ ضرورت صرف اسلامی نظامِ معیشت ہی پوری کر سکتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اسلام کے معاشی اصولوں، معاشی زندگی کے اصولوں کی ترغیب و تہذیب اور عملی زندگی میں ان کی تنفیذ سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے اصولوں کو عام فہم انداز میں بیان کیا جائے۔ معاشیات کی اصطلاحی زبان کے ساتھ ساتھ عام قارئین کی سہولت کے لئے بالکل سادہ اندازِ بیاں اختیار کیا گیا ہے۔

اِسلامی معیشت کے بنیادی اصول وضوابط

(Fundamental Principles Of Islamic Economics)

اسلامی معاشی تعلیمات کی روح کو نظام میں ڈھالنے والے بنیادی اصول و ضوابط درج ذیل ہیں:

۱۔ ملکیتِ اموال سے مراد صرف امانت و نیابت ہے۔

۲۔ زمین اور اس کی پیداوار میں اصلاً تمام انسانوں کا حق برابر ہے۔

۳۔ جملہ اموال میں حاجت مندوں کا شرعی حق ہے۔

۴۔ اصل رزق اور بنیادی حقِ معاش میں تمام انسان برابر ہیں۔

۵۔ بنیادی حق المعاش کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

۶۔ حرام ذرائع معیشت کا انسداد۔

۷۔ صرف اور خرچ میں اقتصاد قائم رکھنا شرعی فریضہ ہے۔

۸۔ ہر شہری کے لئے حتی المقدور کسب معاش ضروری ہے۔

۹۔ کفالتِ عامہ کے نظام کا اجراء و تنفیذ ریاست کا فریضہ ہے۔

۱۰۔ احتکار و اکتناز کا انسداد۔

۱۱۔ اجتماعی مفاد کو انفرادی مفادات پر ترجیح حاصل ہے۔

۱۲۔ غیر سودی معیشت کا قیام۔

مذکورہ بالا بنیادی معاشی اور اقتصادی تصورات وہ لازمی عناصر ہیں جن سے اسلام کا نظام معیشت تشکیل پاتا ہے۔ اب ہم تفصیل کے ساتھ ان تصورات اور اصولوں پر روشنی ڈالیں گے۔

www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل

ملکیتِ اَموال سے مراد صرف امانت و نیابت ہے

www.MinhajBooks.com

ملکیت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ''مِلْک'' ہے جو اپنے اندر مالک ہونے کے معنی لئے ہوئے ہے۔ کائنات، انسان اور حیات کا مطالعہ کیا جائے تو ملکیت کا تصور سامنے آتا ہے۔ اسلام اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے اسی لئے اس ضمن میں درج ذیل حقائق کی نشاندہی کرتا ہے:

ا۔ ملکیتِ خداوندی

دینِ اسلام میں سب سے پہلے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملکیت اور تصرف میں ہے یہاں تک کہ انسان کے معاشی وسائل جن پر اس کی روزی کا انحصار ہے وہ سب کے سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، ارشادِ ربّانی ہے:

ا۔ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ○[1]

''(ان سے) فرمائیے کہ زمین اور جو کوئی اس میں (رہ رہا) ہے (سب) کس کی مِلک ہے، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟○ وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتے○ (ان سے

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۸۴۔ ۸۹

دریافت) فرمائیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ عظیم (یعنی ساری کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ) کا مالک کون ہے؟o وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم ڈرتے کیوں نہیں ہو؟o آپ (ان سے) فرمائیے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟o وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب شانیں) اللہ ہی کے لئے ہیں (تو) آپ فرمائیں: پھر تمہیں کہاں سے (جادو کی طرح) فریب دیا جا رہا ہے؟o‘‘

۲۔ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَo ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَo لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَo اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَo بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَo اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَo ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَo لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَo اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَo ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَo نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَo[1]

’’بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہوo تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤo (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیاo بلکہ ہم بے نصیب ہوگئےo بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہوo کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟o بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو۔ کیا

(۱) الواقعۃ، ۵۶: ۶۳۔ ۷۲

اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟o
ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت وعبرت) اور جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہےo‘‘

۳۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ.(۱)

’’جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے۔‘‘

۲۔ملکیتِ اَموال کا مفہوم

ملکیتِ اموال کے باب میں پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ اس سے مراد محض ملکیت نہیں بلکہ امانت و نیابت ہے۔ یہاں ’’مالک‘‘ کا لفظ حقیقی معنی میں نہیں فقط امین اور نائب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت میں ’’ملکیت‘‘ کا یہ اضافی مفہوم سب سے زیادہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس تصور کی وضاحت کے بغیر بقیہ اصول و ضوابط پر گفتگو لا حاصل اور خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہ ہو گی۔ اس لئے سب سے پہلے نظامِ معیشت میں ’’ملکیت‘‘ کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کے لئے اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

ملکیت سے مراد

ملکیت کا یہ تصور انسان کے اندر کسی مال کی نسبت صرف دو حقوق کے مجموعے سے عبارت ہے:

۱۔ حقِ قبضہ (Right of Possession)

۲۔ حقِ تصرف (Right of Disposition)

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۴

لہٰذا کسی مال پر جب ایک شخص کو شرعاً اور قانوناً اپنا قبضہ قائم کرنے اور اس میں حسبِ منشا تصرف کرنے کا حق مل جائے تو اس حق کو ''ملکیت'' کہتے ہیں۔ جہاں تک اس مال کے منفعتی اور افادیتی پہلو سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے اور جسے ہم اصطلاحاً ''انتفاع'' اور ''تمتع'' کہتے ہیں۔ وہ فی نفسہٖ ملکیت نہیں بلکہ ضرورتِ ملکیت ہے۔ بعض اہلِ علم اور ماہرین معاشیات نے انتفاع کو عین ملکیت یا داخلِ ملکیت قرار دیا ہے، جس سے نظامِ معیشت کا ایسا راستہ متعین ہوتا ہے جو حتمی طور پر استحصال پر منتج ہوتا ہے۔ مگر حضور نبی اکرم ﷺ جو صفحۂ ہستی پر پیغمبرِ انقلاب بن کر مبعوث ہوئے اور جنہوں نے ہر قسم کے استحصالی، باطل، جاہ پرستانہ اور جاگیردارانہ مفادات کے بتوں کو پاش پاش کر دیا، آپ ﷺ نے انسانیت کو ایک منفرد و ممتاز اور منصفانہ تصورِ ملکیت عطا فرمایا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے معاشی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لئے انتفاع کو داخلِ ملکیت نہیں بلکہ ضرورتِ ملکیت اور علتِ جوازِ ملکیت قرار دیا ہے۔

۳۔ مال انسانی زندگی کی بقا و اِستحکام کا ضامن ہے

اللہ تعالیٰ نے مال کو زندگی کی بقا اور استحکام کا ضامن قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا. (۱)

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔''

اس آیہ کریمہ سے اس نکتے کا استنباط ہوا کہ مال کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں طبعاً زندگی کی بقا اور استحکام کا ضامن ہونا ودیعت کر دیا گیا ہے۔ گویا فی الحقیقت مال وہی ہے جس کے اندر طبعاً انسانوں کے لئے نفع کا سامان موجود ہو۔ باری تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف اشیاء و اموال پر ملکیت (یعنی قبضہ و تصرف) کا حق اس لئے عطا فرمایا

(۱) النساء، ۴: ۵

ہے کہ اسے بروئے کار لا کر وہ ان اموال پر محنت صرف کریں اور ان کے اندر تخلیق کی گئی خوابیدہ منفعتوں اور افادیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔ کیونکہ مال کو جب تک کسی کے قبضہ و تصرف میں نہ دیا جائے اس کی بالقوہ افادیت (Potential Utility) کو بالفعل افادیت (Actual Utility) میں نہیں بدلا جا سکتا۔ اگر اس مال کے خلقی اور طبعی فوائد و ثمرات یونہی بے جان دور از کار اور عملاً غیر سود مند ہوکر پڑے رہیں اور خلقِ خدا ان سے صحیح فائدہ نہ اٹھا سکے تو اس مملوکہ شے یا مال کی تخلیق کا مقصد گویا پورا ہی نہ ہوا جبکہ باری تعالیٰ نے ہر شے کا مقصدِ تخلیق ہی خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانا قرار دیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

۲۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا.(۱)

”وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

۳۔ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ٥(۲)

”اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن وتصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو٥“

۴۔ آباد کار ہی مردہ زمین کا مالک ہوگا

اس آیہ کریمہ سے یہ مترشح ہوا کہ زمین کی مالک فی الواقعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ زمین میں اسبابِ زندگی پیدا کرنے کی جو بالقوہ صلاحیت رکھی گئی ہے وہ

(۱) البقرة، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

طبقاتی و نسلی امتیازات سے ماوراء تمام انسانوں کو اس لیے عطا کی گئی کہ وہ محنت کر کے اس کے مخفی خزانوں کو سب کے فائدے کے لئے بروئے کار لائیں۔

اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مردہ اور غیر آباد زمینوں پر ان کے آباد کرنے والے کو حقِ ملکیت عطا فرمایا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من أحيا أرضاً ميتةً فهي له. (۱)

''جس نے کسی مردہ زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہو گی۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ دراصل اس زمین کے اندر خوابیدہ صلاحیت تو تھی لیکن اس نے ابھی تک حقیقی صورت اختیار نہ کی تھی۔ اب جس نے اسے زندہ کر کے قابلِ کاشت بنا دیا، یعنی اس کی مخفی صلاحیت کو حقیقی صورت دے کر فعال کر دیا وہی اس کا مالک متصور ہو گا۔ گویا نفع اٹھانا اور دوسروں کو نفع اٹھانے دینا ہی حقِ ملکیت کے جواز کی بنیاد ہے۔ اگر کوئی شخص خود تو اس سے نفع اٹھائے لیکن خلقِ خدا کو نفع حاصل نہ کرنے دے تو اس نے ملکیت کے مقصد کو فوت کر دیا اور اس نے اپنے حقِ ملکیت کی بنیاد کی اپنے عمل سے نفی کر دی۔

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳
۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۱: ۶۱۲، رقم: ۵۲۰۵
۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۴۲، رقم: ۱۱۵۵۲
۶۔ بخاري، التاريخ الكبير، ۵: ۳۸۹
۷۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۳: ۲۹۷، رقم: ۱۰۹۶
۸۔ هيثمي، موارد الظمآن، ۱: ۲۷۸، رقم: ۱۱۳۶

۵۔ ملکیتِ مال کے دو پہلو

قرآنی تصورِ ملکیت کے تحت ہر شے اور مال کے دو پہلو متعین ہوئے جو اس طرح ہیں:

۱۔ منفعتی پہلو (Beneficial Aspect): یہ نفع اٹھانے کا پہلو ہے۔

۲۔ مقبضتی پہلو (Possessive Aspect): یہ قبضہ رکھنے کا پہلو ہے۔

قرآن حکیم کی روشنی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ انقلابی تصورِ ملکیت کے مطابق انسان کو اپنی مملوکہ اشیاء کی صرف ملکیتی حیثیت کا مختار بنایا گیا ہے۔ منفعتی حیثیت کا نہیں۔ یعنی اموال کے قبضہ وتصرف کے ضمن میں اس کے حقوق جائز حدود کے اندر مطلق اور بلاشرکتِ غیر تسلیم کئے گئے ہیں۔ گویا اموال کے قبضہ وتصرّف میں ممکن ہے کہ صرف ایک ہی شخص نجی حق رکھتا ہو، کسی اور کی اس میں کوئی شرکت نہ ہو مگر ان ہی اموال کے منفعتی پہلو پر اسلام اس کے محض بلاشرکتِ غیر نجی حق کو گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس میں معاشرے کے دوسرے افراد بھی شریک ہوں۔ اگر مالک اپنے مملوکہ اموال کے منفعتی پہلو میں دوسروں کے حقوق پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرے گا تو اس کی اپنی ملکیت بھی جائز قرار پائے گی۔ بصورت دیگر اگر دوسروں کے منفعتی حقوق کا استحصال کرے گا تو اس کی اپنی ملکیت کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

چنانچہ اگر مخلوق کے نفع اٹھانے کا حق ہی جوازِ ملکیت کی بنیاد نہ ہوتا تو جن لوگوں نے جائز ذرائع سے دولت حاصل کی اور پھر اسے مستحقین اور غرباء پر خرچ نہ کیا تو زیادہ سے زیادہ ان پر خرچ کی اخلاقاً ترغیب ہی دی جاسکتی تھی اور خرچ نہ کرنے کے عمل کو گناہ، جرم اور سزاوارِ عذابِ جہنم قرار نہ دیا جا سکتا تھا۔

اس عمل کو مستوجبِ عذابِ جہنم قرار دیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ محض ایک اخلاقی حق کو سلب نہیں کر رہا بلکہ دوسرے کے شرعی اور قانونی حق کو سلب کرتے

ہوئے ظلم و استحصال کا مرتکب ہو رہا ہے۔

۶۔ اِحتکار و اِکتناز عذابِ اِلٰہی کا باعث ہے

قرآن و سنت سے ماخوذ تصورِ ملکیت کے تحت اگر مملوکہ مال کے تمام حقوق جو دوسروں کو منافع میں شریک کرنے سے متعلق ہیں، پورے طور پر ادا نہ کئے جائیں تو نہ صرف ملکیت ہی ناجائز ہو جاتی ہے بلکہ وہ عذابِ آخرت کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍo یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَo(۱)

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیںo جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھےo‘‘

ا۔ حدیث مبارکہ میں بھی ضرورت سے زائد مال کو مستحقین پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔ ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۴، ۳۵

يا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خيرلک وأن تمسکه شرلک ولا تلام على کفاف وابدأ بمن تعول. [1]

''اے ابن آدم! ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینا تیرے لیے زیادہ اچھا ہے۔ اور اگر تو اس مال کو خرچ کرنے سے روک لے گا تو یہ تیرے لیے باعث شر ہو گا۔ البتہ بقدرِ ضرورت بچا کر رکھنا تمہارے لیے باعث عار نہیں ہو گا اور انفاق کا آغاز اپنے قرابت داروں سے کر۔''

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس باب میں جو تصور اپنے عمل مبارک سے واضح فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو کان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين. [2]

''اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو (ایسی صورت میں بھی) میرے لیے یہی بات باعث راحت ہوتی کہ میں تین راتیں گزرنے تک اسے راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور اس مال میں سے اسی قدر بچا کر رکھتا جو قرض کی ادائیگی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

۳۔ بيهقي، السنن، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ ما يسرني أن عندي مثل أحد هذا ذهبا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب تغليظ عقوبة من لا يؤدي الزکاة، ۲: ۶۸۷، رقم: ۹۹۱

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۶۰، رقم: ۶۳۵۰

کے لئے ضروری ہوتا۔‘‘

مراد یہ کہ احد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو سوائے قرض کی ادائیگی جیسی ضرورت کے باقی تین دن کے اندر اندر تقسیم کر دینا ہی میرے لیے باعثِ مسرت امر ہوتا۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ دولت خواہ جائز ذرائع سے ہی کمائی گئی ہو لیکن اگر اسے جمع کر کے رکھ دیا جائے اور وہ افرادِ معاشرہ کے درمیان گردش نہ کرے تو اس ذخیرہ اندوزی (hoarding) پر دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

۷۔ ملکیتِ اَموال حقیقت میں معاشی خلافت ہے

اب ہم قرآن مجید کے حوالے سے ملکیتِ اموال میں امانت و نیابت کا مفہوم واضح کرنا چاہتے ہیں کیونکہ کسی بھی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ نیابت اور امانت کا یہ تصور اخلاقاً تو شاید درست ہو لیکن اس کے پیچھے کوئی قرآنی استدلال نہیں اور اس کی کوئی شرعی و قانونی حیثیت بھی موجود نہیں۔ یاد رہے کہ کسی حکم کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لینے اور قانونی و شرعی حق تسلیم کرنے میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اگر امانت و نیابت کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لیا جائے تو اس پر نظامِ معیشت قائم نہیں ہوسکتا کیونکہ مجرد اخلاقی تصورات اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کی بنیاد پر کوئی نظام قائم کیا جا سکے، جب تک ان تصورات کو قانونی وجوب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے۔

۱۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اٰمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ○[۱]

’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے

(۱) الحدید، ۵۷:۷

خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (وامین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اَجر ہے o‘‘

یہاں واضح طور پر ملکیت کو ’’استخلاف في المال‘‘ قرار دے دیا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (۱)

’’اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفا اور تعمیل امت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی امانت اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حقِ) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے۔‘‘

اس آیت میں یہ نکتہ کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ اسلامی نظامِ سیاست میں حکومت اور اقتدار میں ’’استخلاف في الأرض‘‘ کا اصول کار فرما ہے۔ اسی طرح نظامِ معیشت میں ملکیتِ اموال کو استخلاف في المال کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس سے مستنبط ہوا کہ نہ تو اسلامی نظامِ سیاست میں کوئی حکمران روئے زمین پر اپنے آپ کو حاکمِ مطلق کہلا سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی نظامِ معیشت میں کوئی شخص مطلقاً ملکیت کا دعوی کر سکتا ہے۔ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر محض امین اور نائب ہیں لہٰذا دونوں مالکِ حقیقی کے حکم کے پابند ہیں اور کسی کو من مانی کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔

۳۔ قرآن مجید نے اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (۲)

(۱) النور، ۲۴: ۵۵

(۲) الحدید، ۵۷: ۱۰

’’اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم فقط اس مالک کے نائب ہو)۔‘‘

اندازِ استدلال سے واضح ہے کہ مال خرچ کرنے کے معاملے میں مال کے امین کا متذبذب ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ یہ فکر تو مالک کو ہونی چاہیے۔ قرآن استفسار کر رہا ہے۔ لوگو! تم خرچ کیوں نہیں کرتے اور مال کو کیوں روک رکھتے ہو جبکہ تم مالک ہی نہیں ہو بلکہ تمہاری حیثیت فقط نائب و امین کی ہے۔ نائب و امین ہمیشہ اپنے مالک کے حکم کا پابند ہوتا ہے۔ جب مالک خود فرما رہا ہے: ’’میرے نادار بندوں پر خرچ کردو‘‘ پھر تمہیں خرچ نہ کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟

ہماری رائے میں انفرادی اور اجتماعی ملکیت کے یہ سارے بحث مباحثے اور سرمایہ دارانہ یا اشتراکی نظامہائے معیشت کے سارے جھگڑے اسلام نے فقط ’’نیابت و خلافت‘‘ کہنے سے ختم کر دیئے ہیں۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تصورِ نیابت و امانت پر استوار ہونے والا معاشی ڈھانچہ کلیتًا اشتراکی اور سرمایہ دارانہ، دونوں نظاموں کے پیش کردہ تصورات سے یکسر جدا ہے اور اس میں افراط و تفریط سے پاک ایک متوازن عادلانہ نظامِ معیشت کی ضمانت دی گئی ہے۔ اسی اصول کو ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:

۴۔ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰـكُمْ.(۱)

’’اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتًا) عطا کر رکھی ہیں۔‘‘

(۱) الانعام، ۶: ۱۶۶

یہاں بھی انسان کی حیثیت، اموالِ دنیا کی بابت خلافت و نیابت ہی کی بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ آزمائش کے لئے ہے۔ یعنی ان اموال کے ساتھ کچھ شرائط وضوابط اور مصالح وابستہ ہیں اور تمہیں نائب و امین بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ تمہیں پرکھا اور آزمایا جائے کہ آیا تم اس امانت کے جملہ حقوق اور مصالح کی رعایت کرتے ہو یا نہیں؟ اس لئے معلوم ہوا کہ اسلامی نظامِ معیشت میں ”ملکیت علی الاطلاق“ کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔ چنانچہ اس نظام کے احکام وقوانین اپنی ماہیت اور مزاج کے اعتبار سے مطلقاً دوسرے نظاموں سے مختلف ہیں۔

ایک اور مقام پر یہی تصور ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ مال تو فی الحقیقت اللہ ﷻ کا ہے اور وہ تمہیں فقط برتنے کے لئے دیا گیا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ تم اس پر اس طرح قابض ہو رہے ہو کہ دوسروں کو ان کا حق بھی نہیں دینا چاہتے۔

۵۔ ارشادِ الٰہی ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○(۱)

”ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لئے) ممنوع اور بند نہیں ہے ○“

یہاں بھی واضح طور پر اموال واسباب کو فقط عطائے الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ پھر انسان اس کا مالکِ مطلق کیسے بن سکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس کی حیثیت فقط محافظ اور امین ہی کی ہوگی اور اس میں ہر فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مقبوضہ اور زیرِ تصرف مال سے جس طرح خود فائدہ اٹھا رہا ہے، دوسروں کو بھی اٹھانے دے۔ تب ہی وہ امانت میں

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۰

سچا ہے ورنہ خائن اور غاصب ٹھہرے گا کیونکہ آیتِ کریمہ نے دونوں صورتوں میں یہ شرط عائد کر دی ہے:

۱۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ

۲۔ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا

پہلی شق کا مفہوم یہ ہے کہ اموال و اسبابِ دنیا پر قابض و متصرف لوگوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ جس طرح ہم نے ان اموال کے ذریعے ان کی مدد کی ہے اسی طرح ہم دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ یعنی بلا امتیاز اوروں کی مدد کرنا بھی ہم نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ پس کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اوروں تک اس مدد و نصرتِ الٰہی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنے، بلکہ اسے تو محض واسطہ بنایا گیا ہے۔ پس اسے اپنا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے تاکہ ہر ایک کو یہ نعمت برابر پہنچتی رہے۔

دوسری شق کا مفہوم انسانوں کو یہ بتلا رہا ہے کہ تمہارے رب کی عطاء و بخشش کسی کے لئے بھی بند نہیں ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم جو تم نے قائم کر رکھی ہے، جس کا تم برملا اظہار یہ سوچ کر کرتے ہو کہ اللہ نے ہمیں دیا ہے، دوسروں کو محروم رکھا ہے سو ہم انہیں کیوں دیں؟ اس سوچ کا کوئی جواز نہیں۔ اس ناروا طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی عطا کردہ تقسیم ہی فطری تقسیم ہے جو قائم رہنی چاہیے۔ اس طرح معاشرے میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔

ارشادِ ربّانی کہ ''تمہارے رب کی عطا و بخشش ہر ایک کے لئے ہے اور وہ کسی پر بھی بند نہیں'' ایک عادلانہ معاشرے کے قیام کا ضامن ہے مگر اس کا نظام یہ ہے کہ بعضوں کو آزمانے کے لئے بعضوں کو واسطۂ معاش اور وسیلۂ امداد بنا دیتا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ معاشرے میں محروم اور معاشی تعطل کا شکار نظر آ رہے ہیں تو وہ مشیت الٰہی سے نہیں بلکہ اربابِ اقتدار و اختیار کے ظلم و استحصال کے سبب سے ہیں، جو ان کے راستے میں رکاوٹ بن

گئے ہیں۔ پس استحصالی نظامِ معیشت کی اس رکاوٹ کو راستے سے دور کرنا ہی حقیقت میں مشیّتِ الٰہی ہے اور قرآنی احکامِ انفاق اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اتارے گئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) بھی ملکیتِ اموال کا یہی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

معنى الملک في حق الآدمي كونه أحق بالانتفاع من غيره.(۱)

''انسان کے حق میں ملکیت کا معنی فقط یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کے مقابلے میں فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے زیادہ حق رکھتا ہے۔''

یعنی ملکیت کا معنی ومفہوم فقط یہ ہے کہ مالک کا اس شے سے متمتع ہونے اور نفع اٹھانے کا حق پہلے اور غیر مالک کا بعد میں ہوگا۔ مگر وہ کسی شخص کو نفع اٹھانے سے روک نہیں سکتا، کیونکہ از روئے شرع اس کی حیثیت مالک کی نہیں بلکہ امین اور نائب کی ہے۔

الغرض ان تمام ارشاداتِ قرآنیہ سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسانی ملکیت فقط امانت اور نیابت و خلافت کے حکم میں آتی ہے اور اس کا جواز صرف مقررہ شرائط اور مصالح کے قائم رہنے پر منحصر ہے۔

۸۔ ملکیت میں اِنسان کا اَمانتی کردار

ملکیت کا مسئلہ واضح کرنے کے بعد اسلام نے بنی نوع انسان کو بتایا کہ جملہ تمام اشیاء خواہ وہ خود اس کی جان ہی ہو، مال و املاک، خوراک وغیرہ سب اللہ کی طرف سے عطا کردہ امانتیں ہیں، انسان محض نائب کے طور پر ان اشیاء کے تصرف کا مجاز ہے اور یہ بات واضح رہے کہ نائب کا تصرف انہی حدود و قیود کے اندر اور انہی مقاصد کے تحت ہونا چاہیے جو اس کے مالکِ حقیقی (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) کے مقرر کردہ ہیں۔ یعنی نائب کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جن کی نشاندہی مالکِ حقیقی نے کر دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

۱۔ وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ.(۱)

''اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (وامین) بنایا ہے۔''

۲۔ اسی طرح ارشاد فرمایا:

وَّاٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اٰتٰٮكُمۡ.(۲)

''اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔''

اسلام نے انسان کی زندگی کا مقصد واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اسے ہر حال اور ہر شعبۂ زندگی میں ''عبدیت'' کا مظاہرہ کرنا ہے۔ چنانچہ مال و املاک کی ملکیت کو مقصدِ حیات بنانا غلط ہے یہ تو مقصدِ زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ حقوق ملکیت کا بے قید ہونا، انانیت، احکامِ خداوندی سے انحراف اور الہامی اوامر و نواہی سے اجتناب شرک کے مترادف ہے اور استکبار کی یہ روش انسان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) الحدید، ۵۷:۷

(۲) النور، ۲۴:۳۳

فصل دوم

زمین اور اُس کی پیداوار میں اَصلاً تمام اِنسانوں کا حق ہے

www.MinhajBooks.com

زمین بلا شبہ قدرت کا بیش بہا عطیہ ہے جو نہایت فراخی سے بنی نوع انسان کو عطا کیا گیا ہے مگر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر جاگیرداری اور وڈیرا شاہی کا استحصالی زمیندارانہ نظامِ قارونیت اور فرعونیت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ نتیجتاً بڑے بڑے اجارہ دار جو وسیع قطعاتِ اراضی پر جعلی قبضے (Absentee-Landlordism) کے ذریعے قابض ہیں، خود کو سردار، نواب اور وڈیرا کہتے ہیں، اپنے تابع کسانوں، مزدوروں، محنت کشوں اور ہنرمندوں کو بنگاہِ تحقیر ''کی'' پکارتے ہیں اور وہ بزعمِ خویش اپنے آپ کو ان کا رازق اور روزی رساں سمجھ بیٹھے ہیں۔

زمین معاشی پیداوار کا بے بہا خزانہ ہے جس میں اصلاً تمام انسانوں کا حقِ معاش برابر ہے۔ مگر جو اس پر شرعاً قابض اور متصرف ہو اور اس میں اپنا سرمایہ یا محنت صرف کرے وہ حقِ انتفاع اور استعمال میں دوسروں پر فائق ہو جاتا ہے۔ ورنہ اصلاً سب انسان برابر ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

ا۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا.(۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ ''لکم (تم سب کے لیے)'' سے واضح ہے کہ زمین اور اس کے اندر موجود خزانے بنیادی طور پر تمام انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ سو اس حق کو اصولاً کسی خاص طبقے تک محدود کر دینا اور دوسروں کو اس سے محروم رکھنا منشائے ایزدی کے خلاف ہے۔

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۹

۲۔ دوسرے مقام پر سورۃ الاعراف میں فرمایا:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۝ (۱)

’’اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو۝‘‘

اس آیت کریمہ میں تمام انسانوں کے لئے زمین کے اندر پائے جانے والے اسبابِ معاش مذکور ہیں اور یہ کہ انہیں زمین پر قابض و متصرف ہونے کا حق دیا گیا ہے

۳۔ تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا۝ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ۝ (۲)

’’پھر ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالا۝ پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۝ اور انگور اور ترکاری۝ اور زیتون اور کھجور۝ اور گھنے گھنے باغات۝ اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہ۝ خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے متاعِ (زیست)۝‘‘

محولہ بالا آیات میں عموم ملکیت یا عموم انتفاع کا ذکر اشارتاً کیا گیا ہے۔ اب قرآن مجید کا وہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں جس میں بصراحت تخلیق ارضی کے اندر اصلاً سب کا حق برابر ہونا مذکور ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

۴۔ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ

(۱) الاعراف، ۷: ۱۰

(۲) عبس، ۸۰: ۲۶-۳۲

اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○[1]

’’اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○‘‘

امام ابن جریر طبری (جامع البيان في تفسير القرآن، ۲۴: ۹۷)، حافظ ابن کثیر نے (تفسير القرآن العظيم، ۴: ۹۴) اور زمخشری (الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، ۴: ۹۳) سمیت متعدد مفسرین نے اس کی تصریح کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ زمین، اس کی پیداوار اور اس کے اسبابِ معاش میں اصلاً تمام انسانوں کا حق برابر رکھا گیا ہے اور کسی کو بھی دوسرے پر کوئی تفوق اور برتری حاصل نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عہدِ رسالت مآب ﷺ میں اپنی ایک زمین وقف کرنا چاہی جس میں کھجور کے درخت تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک زمین ملی ہے جو بڑی نفیس ہے اور میں وہ خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تصدق بأصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث ولكن ينفق ثمره فتصدق به عمر.[2]

(۱) حٰم السجده، ۴۱: ۱۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب وما للوصي أن يعمل في مال اليتيم وما يأكل منه بقدر عمالته، ۳: ۱۰۱۷، رقم: ۲۶۱۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الوصية، باب الوقف، ۳: ۱۲۵۵، رقم: ←

’’اصل زمین کو صدقہ کر دو تاکہ نہ اسے فروخت کیا جا سکے نہ ہبہ کی جا سکے اور نہ ورثہ بن سکے البتہ اس کا پھل راہِ خدا میں وقف کر دیا جائے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا۔‘‘

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) ’’حجة الله البالغة‘‘ میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الأرض كلها في الحقيقة بمنزلة المسجد أو رباط جعل وقفا على أبناء السبيل وهم شركاء فيه فيقدم الأسبق فالأسبق.(۱)

’’پوری زمین مسجد اور سرائے کی مانند ہے جو مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے بنائی جاتی ہے اور اس میں سارے لوگ ساجھی دار ہوتے ہیں پس اس کا حق دار جو پہلے سے ہے اس کو (انتفاع کا حق) پہلے ہے (اور بعد والے کو بعد میں)۔‘‘

ا۔ زمین کی تحدید اور تقسیم

زمین کی تحدید کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو لا آخر المسلمين ما حسنة قرية إلا قسمتها بين أهلها كما قسم النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خيبر.(۲)

------ ۱۶۳۲

۳۔ ابن خزيمة، كتاب الزكاة، الصحيح، ۴: ۱۱۸، رقم: ۲۴۸۵

۴۔ ابن حبان، الصحيح، كتاب الوقف، ۱۱: ۲۶۴، رقم: ۴۹۰۱

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب أوقاف أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وأرض الخراج ومزارعتهم ومعاملتهم، ۲: ۸۲۲، رقم: ۲۲۰۹ ←

’’اگر مجھے آئندہ جو لوگ مسلمان ہوں گے ان کا خیال نہ ہوتا تو میں جس بستی کو فتح کرتا اسے فتح کرنے والوں میں تقسیم کر دیتا جیسے حضور نبی اکرم ﷺ نے خیبر کو تقسیم فرما دیا۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے تقسیم وتحدید اراضی کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ضرورت سے زائد زمین پر حسبِ ضرورت حکومتی تصرف کا حق

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے غیر مزروعہ زمین واپس لے لی تھی جو انہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے عطا فرمائی تھی حالانکہ وہ اس پر رضامند نہ تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

إن رسول الله ﷺ لم يقطعک لتحجره عن الناس إنما أقطعک لتعمل، فخذ منها ما قدرت على عمارته ورد الباقي. (۱)

’’یقین جانو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں بخشا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ بلکہ آپ ﷺ نے یہ علاقہ اس لئے عطا فرمایا تھا کہ تم اسے آباد کرو۔ لہٰذا جس حصے کی آبادکاری تم کر سکتے ہو وہ تم لے لو اور بقیہ واپس کر دو۔‘‘

.... ۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۲۸۴

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۱۷، رقم: ۱۲۶۰۱

۴۔ أبو داود، المراسيل، ۳: ۱۶۱

(۱) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۶۸، رقم: ۷۱۳

۲۔ قرشي، كتاب الخراج: ۹۳، رقم: ۲۹۴

فصل سوم

جملہ اَموال میں حاجت مندوں کا شرعی حق ہے

www.MinhajBooks.com

اسلامی نظامِ معیشت کا تیسرا بنیادی تصور جملہ اموال میں حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کے حق سے متعلق ہے۔ اسلام نے ہمارے کمائے ہوئے مال میں محروم المعیشت افراد کا باقاعدہ حق رکھ دیا ہے۔ جس کی حیثیت محض اخلاقی اور ترغیبی نہیں، شرعی و وجوبی اور قانونی ہے۔ اس کی ادائیگی محض نفلی نیکی نہیں، فرض ہے جسے پورا نہ کرنا حرام بلکہ جرم ہے۔ اگر اہلِ ثروت از خود حاجت مندوں کے حقوق اپنے مال سے ادا نہ کریں تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ بذریعہ قانون ان واجب الادا حقوق کی ادائیگی کا جبری اہتمام کرے ورنہ یہ حق تلفی، استحصال اور صریحاً ظلم و زیادتی متصور ہوگی۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۱)

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھاo''

۲۔ دوسرے مقام پر اسی حکم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۲)

''اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo''

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس ضمن میں جس کسی کو بھی اپنے اموال کے منافع میں

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

شریک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے لئے ایتائے حق (حق ادا کرنے) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن سے ان حقداروں کی قانونی و شرعی حیثیت اجاگر ہوتی ہے جس کی رو سے وہ اسلامی ریاست سے اس حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

۳۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ.(۱)

’’اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔‘‘

اس پر مستزاد یہ کہ لینے والے کا حق اتنا ہی ضروری اور قابلِ احترام قرار دیا گیا ہے جتنا کہ دینے والے کا اپنا حق۔ اس میں مالک کو بلحاظِ مقدار (Quantitatively) ترجیح تو بہرحال حاصل ہے لیکن بلحاظِ معیار (Qualitatively) دینے والے اور لینے والے دونوں برابر کے حقدار ہیں اور شریک فی المنافع (Beneficiary) کا حق کسی لحاظ سے بھی مالک یعنی قابض و متصرف (Owner) کے حق سے کمتر یا گھٹیا نہیں ہے۔

۴۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ص وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ.(۲)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو۔‘‘

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶
(۲) البقرۃ، ۲: ۲۶۷

یعنی دوسروں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

۱۔ مالِ وراثت میں غرباء کا شرعی حق

قرآن حکیم نے غرباء و مساکین کا حق ہر دوسرے حق پر مقدم رکھا ہے۔ حتی کہ وراثت میں جس پر ورثاء کا مکمل طور پر نجی حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے نادار اور غریب لوگوں کو وہاں بھی محروم نہیں رہنے دیا بلکہ ارشاد فرمایا:

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝[1]

''اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو۝''

اس آیت سے دو اصول مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ یہ کہ اسی مال میں سے یتامیٰ و مساکین (مستحقین) کو دو جو ورثاء میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ورثاء تو بہتر مال لے جائیں لیکن مستحقین کو گھٹیا مال دے دیا جائے۔ یہاں ''منه'' کا مفہوم اور اس حصہ آیت کا افادہ کلام یہی ظاہر کر رہا ہے۔

۲۔ مزید برآں یہ کہ وراثت میں غرباء مستحقین کے حق کا شرعی وجوب بھی ثابت ہو رہا ہے کیونکہ ''فارزقوهم'' امر کا صیغہ ہے یعنی حکم دیا جا رہا ہے کہ مال وراثت میں غرباء اور مساکین کو شریک کیا جائے۔

یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ مالِ وراثت بلا شرکتِ غیر ورثاء کا حق ہوتا ہے لیکن اس میں بھی مستحقین کو شریک کرنے کا حکم ان کے حق کے شرعی وجوب اور اہمیت پر دلالت کر

(۱) النساء، ۴: ۸

رہا ہے۔ اس امر کی وضاحت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی درج ذیل قول سے ہوتی ہے:

أمر الله المؤمنين عند قسمة مواريثهم أن يصلوا أرحامهم ويتاماهم ومساكينهم من الوصية فإن لم تكن وصية وصل لهم من الميراث. (۱)

’’اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ جب مالِ وراثت تقسیم ہونے لگے تو رشتہ داروں کے ساتھ یتامیٰ و مساکین کو بھی وصیت میں شامل کریں اور اگر ان کے حق میں وصیت نہ کی گئی ہو تو پھر انہیں وراثت میں شریک کیا جائے۔‘‘

اس سے ثابت ہوا کہ مستحق غرباء و مساکین یعنی ناداروں کو حصہ ملکیتِ وراثت میں سے بہر صورت دیا جائے گا خواہ وہ وصیت کے طور پر ہو یا مالِ وراثت میں سے۔

۲۔ ادائیگی زکوٰۃ سے حکمِ اِنفاق ساقط نہیں ہوتا

اس ضمن میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إن في المال لحقًا سوى الزكاة. (۲)

’’بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۹
۲۔ طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۴: ۲۶۶
۳۔ شافعي، أحكام القرآن، ۱: ۱۴۷

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء أن المال لحقاً سوى الزكاة، ۳: ۴۸، رقم: ۶۵۹
۲۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶

جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اڑھائی فیصد (۲.۵%) زکوٰۃ ادا کر دینے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مال کا حق ادا ہو گیا بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں سے مستحقین کے ایسے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

مستحقین کے حقوق کی ادائیگی اس قدر اہم ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں اسے نظر انداز کرنے کی صورت میں کوئی بھی عمل عملِ صالح نہیں قرار پاتا۔ قرآن مجید اس تصور کی نفی کرتے ہوئے بڑی صراحت کے ساتھ ''نیکی کے تصور'' کو یوں بیان کرتا ہے:

۱۔ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ.(۱)

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔''

یہاں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جس جگہ بھی ''تقویٰ'' اور ''متقین'' کی تعریف بیان کی گئی ہے وہاں ''انفاق فی المال'' کی صفت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس صفت کو اس قدر نمایاں انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ''عین تقویٰ'' یا متقین کا جزو لاینفک معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے ''متقین'' کی اصطلاح اور ان کی تعریف سورۃ البقرۃ کے آغاز میں وارد ہوئی ہے اور اس میں ان کے لئے ''وَمِمَّا رَزَقۡنٰـھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ'' [البقرۃ، ۲: ۳] کی شرط پوری کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی انہیں اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے محتاجوں اور ناداروں کا معاشی تعطل دور کرنے کے لئے خرچ کرنا ہو گا۔ دوسرے مقام پر ایجابی انداز سے برّ (نیکی) کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

۲۔ وَلٰـکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالۡکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی

(۱) آل عمران، ۳: ۹۲

وَالْمَسٰکِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ.(۱)

’’بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔‘‘

گویا بِرّ، صدق اور تقویٰ تمام تصورات کا تقاضائے اوّلین اسی حق کی ادائیگی ہے۔ اس کے بغیر انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔

۳۔ غرباء کے معاشی حق کی ادائیگی اَصل دین داری ہے

روحِ نماز درحقیقت وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا، ضرورت مند اور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے عبارت ہو یہی عملاً اصل دین ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُO فَکُّ رَقَبَةٍO اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍO يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍO اَوْ مِسْکِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ O ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِO اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِO وَالَّذِيْنَ کَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَاهُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِO(۲)

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےO وہ

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

(۲) البلد، ۹۰: ۱۲۔ ۱۹

(غلامی ومحکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہے ○ یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)○ قرابت دار یتیم کو○ یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہے○ پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر وتحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیں○ یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیں○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب) ہیں○"

مذکورہ بالا آیات نے "العقبة" (دینِ حق کی پیروی کا وہ اصل راستہ جو شہادت گہِ الفت ہے) کے عنوان سے جس عمل کا ذکر کیا ہے وہ صرف اور صرف ضرورت مندوں اور محتاجوں کے معاشی ابتلاء و تعطل کو دور کر کے انہیں زندگی میں آسودگی و آسائش مہیا کرنا ہے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی جدوجہد جاری رکھ سکیں۔ بالآخر اسی عمل کو شرطِ ایمان قرار دے کر صبر و تحمل اور باہمی مودت و رحمت کی تلقین کی گئی ہے اور ایسے لوگوں کو "اصل دیندار اور جنتی" قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ اس طرزِ عمل اور ہدایاتِ ربانی سے انکار و انحراف کرنے والوں کو لادین اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔

یہ ہے "اصل دینداری کی قرآنی تعبیر" جس کو ہم نے اپنے مزعومہ مفادات کی خاطر محض نفل، نیکی اور فعلِ مستحب کے کھاتے میں ڈال کر حقائقِ قرآنی سے صرفِ نظر کر لیا ہے۔

۲۔ اسی طرح قومِ ثمود کی تباہی و ہلاکت کا بیان کرتے ہوئے قرآن مجید "سورۃ الماعون" کے مضمون کو پھر دہراتا ہے۔ جس سے "بے دینی" کے قرآنی تصور کا اندازہ

ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ○ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ○ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا○ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا○[1]

’’یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے○ اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو○ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)○ اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو○‘‘

ان آیات کے بعد یہ فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ اس طرزِ عمل کو بے دینی اور قومِ ثمود کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

۴۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت قرآنی فکر سے متصادم ہے

اسلام میں اہلِ حرفہ اور محنت کش طبقے کو طبقاتی و گروہی کشمکش سے ماوراء، جس قدر بنیادی معاشی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے کسی دوسرے مذہب اور نظام میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں لیکن یہ حقوق اس وقت تک میسر نہیں ہو سکتے جب تک مسلم معاشرے کو حقیقی طور پر اسلامی خطوط پر استوار نہ کیا جائے۔ پس اسلام کی روح کے مطابق قائم کردہ فلاحی معاشرے میں ہی افلاس و احتیاج، ظلم و زیادتی، استحصال، جہالت و ناخواندگی اور پسماندگی و نکبت کو دور کیا جا سکتا ہے۔ متداول سرمایہ دارانہ نظام (Capitalistic System) اور اشتراکی نظام (Socialistic System) کی کوئی نوعیت اپنی کسی بھی شکل میں مذکورہ بالا خرابیوں سے عہدہ براء نہیں ہو سکتی۔

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۷۔ ۲۰

یہاں ہم ایک نہایت ہی اہم نکتہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اہلِ ثروت، محروم المعیشت افراد کو اپنے مال اور منافع میں شریک کرنے سے اس دلیل کی بناء پر انکار نہیں کر سکتے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی یہ ہے کہ انہیں محروم رکھا جائے اور وہ مالدار نہ ہوں تو ہم یہ ذمہ داری کیوں نبھائیں؟ قرآن مجید نے اس استدلال کو کافرانہ سوچ گردانتے ہوئے مسترد کر دیا ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ○[1]

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (مبتلا) ہوگئے ہو ○‘‘

متذکرہ آیت کریمہ نے اس سرمایہ پرستانہ اور کافرانہ ذہنیت کی واضح طور پر نفی کر دی ہے کہ اہلِ ثروت (Haves) اور نادار و مفلس (Have Nots) طبقات خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اور اس کی مشیت بھی یہی ہے کہ اس صورتحال کو جوں کا توں (Status Quo) برقرار رکھا جائے۔ واضح ہو کہ ایسی سوچ قرآن حکیم کے سرچشمۂ ہدایت کا کھلم کھلا انکار ہے۔ قرآن مجید اسے ملحدانہ سوچ اور کافرانہ ذہنیت قرار دے رہا ہے جبکہ الوہی مشیت تو وہی ہے جس کا قرآن مجید میں حکم ہے۔

۲۔ ایک اور مقام پر مستحقین کے حق کی نفی کرنے والوں کی سوچ کو قارون کے استدلال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ سب کچھ میرے علم و ہنر کا نتیجہ ہے۔

---

(۱) یٰس، ۳۶:۴۷

اس میں کسی اور کا کیا حق ہے؟ قرآن حکیم نے قارونی ذہنیت بیان کی کہ جب قوم نے قارون سے کہا کہ وہ غرور و تکبر کو چھوڑ کر بارگاہِ الوہیت میں جھک جائے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے خزانوں میں سے معاشرے کے مستحق افراد کی مدد کرے تو وہ جو کہ سرمایہ و دولت کے نشہ میں بدمست تھا۔ اس نصیحت کے جواب میں کہنے لگا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا.[1]

”وہ کہنے لگا: (میں یہ مال معاشرے اور عوام پر کیوں خرچ کروں) مجھے تو یہ مال صرف اس (کسبی) علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ نے واقعۃً اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو طاقت میں اس سے کہیں زیادہ سخت تھیں اور (مال و دولت اور افرادی قوت کے) جمع کرنے میں کہیں زیادہ (آگے) تھیں۔“

ان آیات نے سرمایہ پرستانہ قارونی فکر اور اسلامی فکر میں واضح حدِ فاصل (Line of Distinction) قائم کر دی ہے۔ قارونی فکر، اپنے سرمایہ و دولت کو نہ تو اللہ کی دین تصور کرتی ہے، نہ خود کو نائب و امین سمجھتی ہے اور نہ ہی اس میں دوسروں کے حق کو تسلیم کرتی ہے جسے مستحقین پر خرچ کرنے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہو۔

اس کے برعکس اسلامی فکر میں سرمایہ و دولت، انسانی علم کی پیداوار نہیں بلکہ محض اللہ کی دین ہے انسان اس کا مالک نہیں بلکہ محض نائب و امین ہے اور اس میں دوسرے مستحق افراد کا بھی اسی طرح حق ہے جیسے خود مالک کا ہوتا ہے۔

۳۔ قرآن مجید نے ایک اور مقام پر یہ پیغام اس قدر بلیغ انداز میں واضح فرمایا ہے کہ اگر اس اُلوہی پیغام کی معنویت اور روح انسان کے قلب و ذہن میں اتر جائے تو مفاد

(۱) القصص، ۲۸: ۷۸

پرستانہ ذہنیت کا کلیتًا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ ساری طبقاتی کشمکش اپنی موت مر جائے گی۔
قرآن حکیم نے فرمایا:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ○ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ○ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ○ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ○(۱)

’’بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہو○ تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟○ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤ○ (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیا○ بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے○ بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہو○ کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟○ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟○ بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو○ کیا اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟○ ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت وعبرت) اور جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہے○‘‘

قرآن حکیم کے ان ارشادات اور احکامات کی روشنی میں یہ حقائق واضح ہو جاتے ہیں کہ:

۱۔ جملہ اموال میں تمام بنی آدم کا حق برابری کی بنیاد پر رکھا گیا ہے۔

---

(۱) الواقعة، ۵۶: ۶۳۔۷۳

۲۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس مال کو صرف اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے دوسروں کو اس سے متمتع ہونے سے روک لے۔

www.MinhajBooks.com

فصل چہارُم

اَصل رزق اور بنیادی حق المعاش میں تمام اِنسان برابر ہیں

www.MinhajBooks.com

اسلامی نظامِ معیشت اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ کائنات میں انسان کی معاشی ضروریات کی کفیل اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے اور اسی کے پیدا کردہ اسبابِ معیشت میں ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا مساوی حق حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں اس بات کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ رب العزت ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا.[۱]

’’وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔‘‘

۲۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ.[۲]

’’اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے۔‘‘

۳۔ وَفِى السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ○[۳]

’’اور آسمان میں تمہارا رِزق (بھی) ہے اور وہ (سب کچھ بھی) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے○‘‘

۴۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ.[۴]

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

(۳) الذاريات، ۵۱: ۲۲

(۴) الجاثية، ۴۵: ۱۳

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے۔''

۵۔ وَ جَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَبٰرَکَ فِيۡهَا وَ قَدَّرَ فِيۡهَا اَقۡوَاتَهَا فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيۡنَ ○[(۱)]

''اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○''

مذکورہ بالا اور ایسی کئی دوسری آیات کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

(ا) زمین و آسمان میں جو خزانے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہیں اور یہ سب کے لیے ہیں یعنی تمام بنی نوع انسان ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(ب) وسائلِ رزق کسی خاص گروہ یا قوم کے لیے نہیں۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام مقرر کیا ہے کہ حقِ معیشت کے حصول میں کوئی محروم نہ رہے۔

(د) تمام انسان حقِ معیشت میں برابر ہیں۔

(ر) ہر انسان کو اپنی صلاحیت، ضرورت اور خواہش کے مطابق پیشہ اختیار کر کے ان

(۱) حٰم السجدۃ، ۴۱: ۱۰

وسائل سے استفادہ کا حق ہے اور ترقی کرنے کے مواقع سب کے لیے ہیں۔

اَصل رزق میں برابری اور درجاتِ رزق میں تفاوت

اسلام نے حقِ معیشت میں ''برابری'' کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کا معنی و مفہوم معاشی مساوات یا معیشت میں برابری نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہو۔ معاشی جدوجہد اور ترقی کے راستے سب کے لیے یکساں ہوں اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کو استعمال کر کے اپنی معیشت میں ترقی کر سکے۔ اسلام دولت کی مساوی تقسیم (Equal Distribution of Wealth) کا قائل نہیں بلکہ دولت کی منصفانہ تقسیم (Equitable Distribution of Wealth) چاہتا ہے۔ محنت، قابلیت، حافظہ، کام کرنے کی اعلیٰ اور جداگانہ اہلیت، طاقت اور صحت وغیرہ یہ سب صلاحیتیں ان کو یکساں نہیں ملتیں اسی لیے دولت کا کسی کے پاس کم یا زیادہ ہونا ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام درجاتِ معیشت اور رزق میں تفاوت کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ یہ ایک فطری عمل اور حقیقت ہے۔ ارشاداتِ قرآنی کی رو سے تمام افراد کو حقِ معیشت یعنی ضروریاتِ زندگی کے مہیا کئے جانے کے بنیادی حق میں برابر رکھا گیا ہے۔ لیکن بنیادی حقِ معیشت کی یہ مساوات رزق میں تفاوت اور کمی بیشی کے تصور کے منافی نہیں لہٰذا قرآن مجید کی ان تمام آیات میں جہاں کسی کو زیادہ اور کسی کو کم رزق عطا کیے جانے کا ذکر ہے وہ بنیادی حقِ معیشت میں مساوات کے تصور سے ہرگز متصادم نہیں اس سے فقط درجاتِ رزق میں تفاوت مراد ہے۔

تفاوتِ معیشت اور رزق میں کمی بیشی میں حکمتِ خداوندی یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے اس دنیا کے تقسیم کار کے نظام کو اس طرح چلانا پسند فرمایا کہ ہر انسان دوسرے انسان سے وابستہ اور اس کا مددگار ہو اور ایک دوسرے کے کام آئے تاکہ اجتماعی معاشرتی زندگی کا ظہور ہو اور بہترین معاشی نظام قائم رہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا.(۱)

''ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں۔''

۲۔ وَهُوَ الَّذِيۡ جَعَلَكُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِيۡ مَآ اٰتٰـكُمۡ.(۲)

''اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔''

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے انسان کو بھرپور معاشی جدوجہد (Economic Activity) کی تلقین کی اور فیصلہ دیا:

۳۔ وَ اَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo(۳)

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o''

www.MinhajBooks.com

(۱) الزخرف، ۴۳: ۳۲

(۲) الانعام، ۶: ۱۶۵

(۳) النجم، ۵۳: ۳۹

۴۔ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا.[۱]

''اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول۔''

۵۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝[۲]

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۝''

۶۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.[۳]

''اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔''

۷۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝[۴]

''پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۝''

۸۔ وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ.[۵]

''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے۔''

---

(۱) القصص، ۲۸: ۷۷

(۲) الجمعہ، ۶۲: ۱۰

(۳) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۴) العنکبوت، ۲۹: ۱۷

(۵) النحل، ۱۶: ۷۱

۹۔ اَللّٰهُ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يَقۡدِرُ.[1]

''اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔''

۱۰۔ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ.[2]

''دیکھئے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے۔''

۱۱۔ وَاللّٰهُ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ۝[3]

''اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق (وعطا) سے نوازتا ہے۝''

مندرجہ بالا آزمائش یہ جاننے کے لیے ہے کہ انسان حکمِ الٰہی کے مطابق دوسروں کے حق میں اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری کس حد تک پوری کرتا ہے۔ اگر وہ یہ ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ایسے جرم کی سنگینی کے مطابق سزا کا حقدار ہے۔

حاصلِ کلام

اسلامی معاشرے میں جہاں تمام افراد کے لیے بنیادی حقِ معاش میں مساوات کا حکم دیا گیا ہے وہاں درجاتِ رزق میں تفاوت کا تصور بھی موجود ہے لیکن یہ تفاوت صرف مراتبِ رزق میں روا ہے بنیادی حق میں نہیں۔ تفاوتِ رزق میں یہ تفاوت تقاضائے ربوبیت اور حکمتِ احتسابِ الٰہیہ پر مبنی ہے۔ جبکہ انسانوں کی طرف سے مستحقین کو بنیادی حقِ معیشت سے محروم رکھنا باری تعالیٰ کی خالقیت، ربوبیت اور رحمانیت کے منافی ہے۔ اس لیے اسلام ایسے نظام کو رد کرتا ہے جس میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جائے۔

الغرض اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر

(۱) الرعد، ۱۳: ۲۶
(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۱
(۳) النور، ۲۴: ۳۸

قائم رہے کہ کسی صورت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجۂ ظلم و استحصال نہ بن سکے یعنی تفاوتِ درجات تو ہو لیکن یہ تفاوت ایسا نہ ہو کہ معیشت انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسرے کے افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔

www.MinhajBooks.com

فصل پنجم

بنیادی حق المعاش کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے

www.MinhajBooks.com

گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت میں تمام انسانوں کو حق المعاش کے مساوی حقوق دیئے گئے ہیں۔ اس میں بحیثیت انسان مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں۔ امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) نے کتاب الخراج میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے:

مرّ عمر بن الخطاب ﷺ بباب قوم وعليه سائل يسأل، شيخ كبير ضرير البصر، فضرب عضده من خلفه وقال: من أي أهل الكتاب أنت؟ فقال: يهودي. قال: فما ألجاک إلى ما رأى؟ قال أسئل الجزية والحاجة والسن. قال: فأخذ عمر بيده وذهب إلى منزله فرضخ له بشيء من المنزل. ثم أرسل إلى خازن بيت المال فقال: انظر هذا وضرباءه، فوالله ما أنصفناه أن أكلنا شبيبته ثم نخذله عند الهرم ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ والفقراءهم المسلمون، وهذا من المساكين من أهل الكتاب ووضع عنه الجزية وعن ضربائه. (۱)

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے کسی شخص کے دروازے کے پاس سے گزرے وہاں ایک سائل سوال کر رہا تھا جو نہایت ضعیف اور اندھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بازو پر پیچھے سے مارا اور کہا کہ تم کون سے اہلِ کتاب میں سے ہو؟ اس نے کہا کہ یہودی ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے اس امر پر کس

---

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۶

نے مجبور کیا جو میں دیکھ رہا ہوں؟ اس نے کہا کہ میں جزیہ کی ادائیگی، حاجات کی تکمیل اور عمر رسیدگی کی وجہ سے سوال کرتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے اپنے گھر سے کچھ مال دیا پھر اسے بیت المال کے خازن کی طرف بھیجا اور کہا کہ اسے اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کو دیکھو۔ خدا کی قسم! ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہا کہ ہم نے اس کی جوانی سے تو خوب فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اسے رسوا کر دیا (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) ﴿بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں﴾ (اور فرمایا:) فقراء سے مراد مسلمان ہیں اور یہ اہلِ کتاب مساکین میں سے ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اور اس جیسے دیگر کمزور لوگوں سے جزیہ ساقط کر دیا۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رعایا کو حق المعاش کی فراہمی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ صاحبانِ اقتدار پر لازم ہے کہ اس امر کا انتظام کریں کہ کوئی بھی شخص حقِ معیشت سے محروم نہ ہو۔ بلکہ ہر فرد کو حصول معیشت کا مساوی حق دیا جائے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور کاوشوں کو بروئے کار لا کر باعزت اور حلال طریقے سے اپنی روزی کما سکیں۔ نیز اہلِ ثروت پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ضرورت مندوں، غرباء اور محتاجوں کی معاشی ضروریات بدرجہ کفایت پورا کریں تاکہ معاشرے کا کوئی بھی فرد اپنی بنیادی معاشی ضروریات سے محروم نہ رہے۔ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اگر معاشرہ میں غریب اور نادار لوگ زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہوں اور دوسری طرف امراء عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے ہوں تو اسلامی حکومت ان امیر لوگوں سے جبراً مال وصول کر کے غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن مقامات پر اپنے بندوں کو رزق فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان میں اسلامی ریاست کو اس کی بنیادی ذمہ داری سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہ

قرآنی احکام اس منشاء ایزدی کو ظاہر کرتے ہیں۔ لٰہذا اسلامی ریاست پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس بنیادی ذمہ داری کو پورا کرے کہ ایسا کرنے سے ہی اس کے قیام و بقا کا جواز ہے۔

۱۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللهِ رِزْقُهَا. (۱)

''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔''

اب اس وعدۂ الٰہی کے بعد اگر کوئی شخص بنیادی حق المعاش سے محروم ہے تو اس کی ذمہ داری براہ راست ریاست اور حکومتِ اسلامی پر عائد ہوتی ہے کیونکہ حقوق اللہ کی تنفیذ اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا من جانب اللہ اسلامی ریاست ہی کا حق ہے۔ جیسے حدود کا اجراء، حقوق اللہ میں سے ہے مگر اس کو تعزیری شکل میں ریاست نافذ کرتی ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت میں حکمران اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے۔ جب کوئی اسلامی حکومت خلافتِ الٰہیہ ہونے کے ناتے بندوں سے وہ حقوق حاصل کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں (مثلاً حدود، قصاص، عشر، زکوٰۃ وغیرہ) تو پھر اسے لازماً وہ فرائض بھی ادا کرنا ہوں گے جو اللہ رب العزت نے اپنے ذمے لئے ہیں۔ پس ''اِلَّا عَلَی اللهِ رِزْقُهَا'' کا مفہوم یہ ہو گا کہ ہر فرد کی معاشی ضروریات کا پورا کرنا اسلامی ریاست کا فرضِ منصبی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

۲۔ وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللهُ یَرْزُقُهَا وَ اِیَّاکُمْ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ○ (۲)

(۱) ہود، ۱۱: ۶

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۶۰

''اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔''

یہاں بھی ''یَرْزُقُهَا وَ اِیَّاکُمْ'' کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں جو حق المعاش کی یکساں فراہمی کی ذمہ داری کا واشگاف اعلان کر رہے ہیں۔

۳۔ ایک اور مقام پر ہر فرد کو حق المعاش کی یکساں فراہمی کا وعدہ اس طرح کیا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ. (۱)

''اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔''

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اس امر کا اعلان فرما رہے ہیں کہ ہر ایک کو بنیادی طور پر رزق مہیا کرنا ہماری ذمہ داری ہے جس سے یہ امر ثابت ہے کہ باری تعالیٰ ایسے تمام مقاصد، معاشرتی زندگی میں افراد کے قائم کردہ نظام کے ذریعے سے ہی پورا کرنے کا حکم صادر فرما رہا ہے اس لئے کہ یہ عالمِ اسباب ہے اور ''**نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ**'' کا مفہوم یہی ہے کہ جس طرح تمہارے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے اسی طرح جو تمہارے زیرِ کفالت ہیں ان کے رزق کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے۔

ا۔ بنیادی حق المعاش کیا ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا بنیادی حق المعاش ہے جس کی فراہمی اسلامی معاشرے اور ریاست کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

۱۔ عن عثمان قال: قال رسول اللہ ﷺ: ليس لابن آدم حق في سوى

(۱) الانعام، ۶: ۱۵۱

هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز.[(۱)]

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کے لئے سوائے ان امور کے کوئی حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی (یعنی یہ بنیادی حقِ معاش ہے، جب تک یہ ہر ایک کو میسر نہ آجائے اس سے زائد کا حق کسی کو نہیں)۔‘‘

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حقِ معیشت (ضروریاتِ زندگی) سے زیادہ کو اپنا بنیادی حق سمجھنا اور دوسروں کو محرومی سے دوچار کرکے بھی حقِ معیشت سے زائد تحفظ کا مطالبہ کرنا اسلامی شریعت کے لئے ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔ مزید برآں مال واسباب کے باب میں ایسی بنیادی ضروریات کا فراہم کیا جانا لوگوں کا بنیادی حق ہے جسے ہر ایک کو یکساں طور پر ادا کیا جانا چاہیے۔

۲۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی اس بنیادی تصور کی وضاحت کر رہا ہے کہ اگر ایسے حالات ہوں کہ لوگوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں تو مالدار لوگوں کے مال سے غریبوں کا حق زبردستی چھین کر بھی ان کو دیا جا سکتا ہے:

فوالله لو أن الله لم يفرجها ما تركت أهل بيت من المسلمين لهم سعة إلا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء فلم يكن اثنان يهلكان من الطعام على ما يقيم واحدًا.[(۲)]

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ۳۰، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۳۴۷، رقم: ۷۸٦۷

۳۔ المقدسي، الأحاديث المختاره، ۱: ۴۵۵، رقم: ۳۲۹

(۲) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵٦۲

۲۔ تميمي، الجرح والتعديل، ۱: ۱۹۲

’’(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) خدا کی قسم اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا، مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجین کو اس میں حکماً داخل کر دیتا کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا۔‘‘

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول مبارک بھی ملاحظہ ہو:

لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين. [1]

’’اگر مجھے اس امر کا خیال پہلے آ جاتا تو میں مالداروں کی زائد دولت لے کر فقراءِ مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔‘‘

۲۔ بنیادی حق المعاش کی مساوی فراہمی کا حکم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی حق المعاش میں مساوات ملحوظ رکھنے کا حکم صادر فرمایا اور محروم المعیشت افراد کی کفالت کا باقاعدہ انتظام بھی فرمایا جس کا اندازہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل. [2]

(۱) ۱۔ طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۵۷۹
۲۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸
←

''جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس ضرورت کی سواری نہیں۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا اور سامان ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس ضرورت کا کھانا نہیں۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے متعدد اصنافِ مال کا ذکر فرمایا۔ صحابہ فرماتے ہیں: حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ زائد از ضرورت کسی شے میں بھی ہمارا حق نہیں ہے۔''

فلیعد به کا انقلابی فلسفہ

مذکورہ حدیث طیبہ میں قابلِ توجہ حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ الفاظ ہیں ''**فلیعد به**'' یعنی لوٹا دو۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ غرباء کو عطا کر دو۔ دینے اور لوٹانے میں بڑا واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے ذاتی حق میں سے کسی کو کچھ دے دیں تو یہ عطا ہو گی لیکن اگر معاشرے کے ظالمانہ استحصالی نظام کے تحت کسی غریب کا حق بھی آپ نے سلب کر کے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور آپ اسے اس کے حقیقی حقدار تک پہنچا دیں تو یہ دینا نہیں بلکہ لوٹانا ہوگا۔

۲۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں ایک سال لوگ مالی تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے تو آپ ﷺ نے قربانی کے موقع پر فرمایا:

من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثالثة وفي بيته منه شيء. (۱)

------ ۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴، رقم: ۱۱۳۱۱
۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۱
۵۔ أبي عوانه، المسند، ۴: ۲۰۰، رقم: ۶۴۹۰
۶۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۳۸۳، رقم: ۱۲۸۳

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب ما يؤكل من لحوم ــــ

''تم میں سے جو شخص قربانی کرے تو وہ تیسری رات کے بعد اس حالت میں نہ اٹھے کہ اس کے گھر میں گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح عمل کیا اور گوشت ذخیرہ کرنے کی بجائے بانٹ دیا۔ اگلے سال بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی حکم کی تعمیل میں سارا گوشت تقسیم کر دیا اور آئندہ ضرورت کے لئے بچا کر نہ رکھا اور عرض کیا:

یا رسول الله! نفعل كما فعلنا عام الماضي قال: كلوا وأطعموا وادّخروا فإن ذلك العام كان بالناس جهد فاردت أن تعينوا فيها.(۱)

...... الأضاحي وما يتزود منها، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب بيان ما كان النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الاسلام وبيان نسخه وإباحة إلى متى شاء، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۹۲

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۵۔ أبي عوانه، المسند، ۵: ۸۲، رقم: ۷۸۷۸

۶۔ ابن حزم، المحلى، ۷: ۳۸۳، رقم: ۹۸۵

۷۔ شوكاني، نيل الأوطار شرح منتقي الأخبار، ۵: ۲۱۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأضحى، باب بيان ما كان النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الاسلام وبيان نسخه وإباحة إلى متى شاء، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۹۲، رقم: ۱۹۲۱۸

←

"یا رسول اللہ! ہم اس مرتبہ بھی سابقہ سال کی طرح (سارا گوشت تقسیم) کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس سال کھاؤ، کھلاؤ اور (حسبِ ضرورت) بچا کر بھی رکھو۔ پچھلے سال لوگ پریشان حال تھے پس میں نے چاہا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔"

۳۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اپنا باغ اپنے مستحق رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا:

فقسمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمه. (۱)

"پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔"

......۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۵۔ أبي عوانه، المسند، ۵: ۸۲، رقم: ۷۸۲۸

۶۔ ابن حزم، المحلی، ۷: ۳۸۳، رقم: ۹۸۵

۷۔ شوکاني، نیل الأوطار شرح منتقي الأخبار، ۵: ۲۱۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الزکاة، باب الزکاة علی الأقارب، ۲: ۵۳۰، رقم: ۱۳۹۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب فضل النفقة والصدقة علی الأقاربین والزوج والأولاد والوالدین ولو کانوا مشرکین، ۲: ۶۹۳، رقم: ۹۹۸

۳۔ مالك، الموطأ، کتاب الصدقة، باب الترغیب في الصدقة، ۲: ۹۹۵، رقم: ۱۸۰۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۴۱، رقم: ۱۲۴۶۱

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۶: ۱۵۰، رقم: ۷۱۸۲

۶۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۱۶۴، رقم: ۱۱۷۰۰

آج ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں مال اور رزق کی تقسیم کا عادلانہ نظام انسان کی پیدا کردہ ناہمواریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ کچھ لوگ نانِ شبینہ جیسی بنیادی ضرورتِ زندگی کو ترس گئے ہیں اور کچھ لوگ وسائلِ رزق پر قابض ہونے کے باعث پُرتعیش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو برابر کا حق المعاش عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ غیر اسلامی استحصالی اور ظالمانہ نظام نے معاشرے کے بعض افراد کا حق چھین کر جن متمول صاحبِ ثروت افراد کی جھولی میں ڈال دیا ہے ان سے واپس لے کر معاشرے کے محروم المعیشت اور مفلوج الحال لوگوں کو دلایا جائے اور ایسا کرتے ہوئے اگر طاقت کا استعمال بھی ناگزیر ہو تو دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی اسلامی ریاست کو یہ اہتمام کرنا چاہئے کہ ہر صاحبِ ثروت ازخود ان کا یہ حق ادا کر دے یا حکومت بذریعہ حکم اس سے لے کر اصل حقدار کو لوٹا دے۔

۳۔ حق المعاش کی فراہمی تقاضائے ایمان ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ليس المؤمن الذي يشبع وجاره جائع. (۱)

”وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔“

---

(۱) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱۰: ۳

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۸۴، رقم: ۷۳۰۷

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۱: ۱۵۴، رقم: ۱۲۷۴۱

۴۔ أبو يعلى، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹

۵۔ ابن حميد، المسند، ۱: ۲۳۱، رقم: ٦۹۴

٦۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱٦۷

اس حدیث مبارکہ کی رو سے بنیادی ضروریات کا ہر فردِ معاشرہ کو بہم پہنچانا شرطِ ایمان قرار دیا گیا ہے اور کم سے کم ذمہ داری ہر ایک پڑوسی کی دوسرے پڑوسی کے حوالے سے یہ ہے کہ کوئی شخص بھی کسی بنیادی ضرورت سے محروم نہ رہے۔ چونکہ تمام افرادِ معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ پڑوسی کے رشتے میں منسلک ہیں۔ اس لئے یہ ذمہ داری پورے معاشرے کی ہے کہ اپنے کسی فرد کو بھی بنیادی حق المعاش سے محروم نہ رہنے دے۔ اسلامی حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کی تنفیذ کا اہتمام کرے۔

۴۔ معاشی مساوات اور نیک حکمران

حضور نبی اکرم ﷺ نے قربِ قیامت کے آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والے ایک صالح حکمران (حضرت امام مہدی) کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگوں میں معاشی مساوات قائم کرے گا۔

۱۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: أبشركم بالمهدي يبعث في أمتي على اختلاف من الناس وزلازل فيملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت جوراً وظلماً يرضى عنه ساكن السماء وساكن الأرض يقسم المال صحاحاً. قال له رجل: ما صحاحاً؟ قال: بالسوية بين الناس ويملأ الله قلوب أمة محمد ﷺ غنى فلا يحتاج أحد إلى أحد. (۱)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۲، رقم: ۱۱۵۰۲
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۷، رقم: ۱۱۳۴۴
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۳۱۳

نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں امام مہدی کی بشارت دیتا ہوں وہ ایسے دور میں مبعوث ہوں گے جب لوگ باہم اختلاف کا شکار ہوں گے اور وہ زمین میں عدل و انصاف قائم کریں گے جیسا کہ پہلے ظلم جاری ہوگا۔ زمین و آسمان کے ساکنین ان سے خوش ہوں گے۔ وہ صحیح طریقہ پر مال تقسیم کریں گے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے) عرض کیا: وہ صحیح طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: لوگوں کے درمیان مساوی تقسیم کریں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کے دلوں کو استغناء سے مالا مال کر دے گا اور کوئی کسی کا محتاج نہ ہوگا۔‘‘

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دولت کی برابر تقسیم نہ تو عملاً ممکن ہے اور نہ شرعاً اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس ’’تقسیم‘‘ سے مراد بنیادی ضروریات کی مساوی تقسیم ہی ہوسکتی ہے کہ بنیادی معاش ہر ایک میں اس طرح برابر تقسیم ہوگا کہ معاشرے میں معاشی تعطل نہ رہے اور کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہنے پائے گا۔

۲۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مال و دولت کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے دو بنیادی باتوں کا خیال رکھنے کی ہدایت دی:

أربع من عمل بهن استوجب العدل الأمانة في المال والتسوية في القسم والوفاء بالعدة والخروج من العيوب. (۱)

’’چار امور کو ان کے لئے لازمی قرار دیا گیا: مالی معاملات میں عدل و انصاف پر مبنی امانت داری، تقسیمِ اموال میں برابری، ایفائے عہد اور عیبوں کو ترک کرنا۔‘‘

یہاں بھی ’’التسويه‘‘ سے مراد حق المعاش کی برابری ہے۔ جو معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی ضروریات اور حاجات مساوی طور پر ادا کرنے کی ضامن ہو۔

(۱) طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۴۹۰

www.MinhajBooks.com

۵۔ موجودہ حالات میں سنگین معاشی صورت حال اور اس کا تدارک

آج کوئی شخص کیا یہ بات کہہ سکتا ہے کہ معاشرے میں کوئی شخص بھوک سے نہیں مرتا حالانکہ معیشت کی بنیاد غیر عادلانہ معاشی نظام پر استوار کی گئی ہے۔ جب ہر شخص کو بنیادی حق المعاش بہرحال میسر ہے تو ایسے میں دولت کی مساوی تقسیم پر اس قدر زور اور اصرار کیوں؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ اگر آج آپ کو کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرتا دکھائی نہیں دیتا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کو معاشرے نے حق المعاش دے دیا ہے اور وہ معاشی جبر کا شکار نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے ظلم و استحصال اور اربابِ اقتدار کے ظالمانہ رویئے سے مایوس ہو کر لوگوں نے اپنی جان اور تن کا رشتہ برقرار رکھنے کی خاطر ضمیر فروخت کرنا شروع کر دیئے ہیں اور وہ بھوک سے مرنے کی بجائے انسانی وقار سے محروم ہو کر اور حرام کھا کر زندہ رہنا سیکھ چکے ہیں۔

یہ بات طے ہے کہ اگر خودکشی کی حرام موت مرنے والے معاشرے کے مجبور اور نادار لوگوں نے حالات سے سمجھوتا نہ کر لیا ہوتا، وہ محض رزقِ حلال پر اکتفاء کرنے والے ہوتے اور رشوت اور دیگر ناجائز ذرائع سے اولاد کے پیٹ میں رزقِ حرام نہ ڈالتے، دھوکہ دہی اور لوٹ کھسوٹ سے اہلِ خانہ کی معاشی ضروریات پوری نہ کرتے تو ہم دیکھتے کہ ان لوگوں کے لئے عزت و توقیر سے زندہ رہنا تقریباً ناممکن ہوتا۔ معاشی انحطاط سے ہمارے معاشرے کو اس نوبت تک پہنچا دیا ہے کہ رزقِ حرام سے منہ موڑ کر ہزاروں لوگ بھوک سے مر رہے ہوتے اور سینکڑوں جنازے صبح و شام سڑکوں پر اُٹھتے دکھائی دیتے۔

وائے افسوس کہ موت کے بھیانک تصور سے گھبرا کر اکثر لوگوں نے مجبوراً اپنے ضمیر کا سودا کر لیا ہے۔ سفید پوشی کی حالت میں موت کے خوف سے مجبور و مقہور لوگوں نے

اپنی عصمت اور ایمان فروخت کرنا قبول کرلیا ہے اور لاکھوں لوگ بھکاری بن کر زندگی کے شب و روز گزار رہے ہیں۔ لہٰذا آج ہمیں ضمیر کے ہاتھوں صبح و شام معاشی قتل ہونے والے لاکھوں انسانوں کا خون معاشرے کے ہاتھ پر دکھائی نہیں دیتا اور ہم اپنے دل کو یہ تسلی دیئے ہوئے ہیں کہ ہمارے گرد و پیش کے ماحول میں کوئی شخص بھوک سے مرنے والا موجود نہیں۔

یہ حالت تو ان لوگوں کی ہے جن کے پاس ایسے اختیارات اور وسائل موجود ہیں کہ وہ رزقِ حرام حاصل کر لیتے ہیں، اس وقت حالت اس سے بھی بدتر ہو چکی ہے، اب تو بے روزگاری، غربت اور مہنگائی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آئے روز اخبارات میں خودکشیوں اور خودسوزیوں کی خبریں چھپ رہی ہیں۔

اس ناگفتہ بہ گھمبیر صورتحال کے ازالہ کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں بنیادی حق المعاش کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے جس کے نتیجے میں کوئی بھی شخص محروم المعاش نہ رہے اور نہ کوئی معاشی تعطل کے ہاتھوں حرام ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو۔

٦۔ قرض چھوڑ کر مرنے والے کی ریاست پر ذمہ داری

زندگی میں بنیادی ضرورت کی فراہمی کی طرح اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مر جائے اور اس کے ورثاء قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے ادا کرنا بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ ہے:

أنا أولی بالمؤمنین من أنفسهم فمن توفي من المؤمنین فترک دینًا فعليّ قضاؤه ومن ترک مالاً فلورثته.(۱)

(۱) ا۔ بخاري، الصحیح، کتاب الکفالة، باب الدین، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

←

’’میں اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے قریب تر ہوں اہلِ ایمان میں سے جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرا فرض ہے اور جو مال وہ چھوڑ کر مر جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔‘‘

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کو کم کرنے کے لئے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کر لیا ہے حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول وعمل سے ان کا وجوب اور لزوم بطریقِ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتصادی اصلاحات کی چند مثالیں

۱۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خزانہ (بیت المال) کے مصارف کے بارے میں حکومتی سطح پر حکمِ اقتصاد پر بڑی سختی سے عمل درآمد کرایا اور سرکاری سطح پر ہر قسم کے اسراف کو ختم کر دیا کیونکہ اس کے بغیر عوام کو صرفِ مال کے بارے میں اقتصاد کا عامل نہیں بنایا جا سکتا۔ اس باب میں امام بخاری روایت کرتے ہیں:

إن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله أن لا تطيلوا بنائكم فإنه من شر أيامكم.[1]

.... ۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على المادردي، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۸۴۷

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۵۳، رقم: ۱۳۱۲۳

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۶۱، رقم: ۴۵۲

۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۸: ۴۸۶

۳۔ مزي، تهذيب الكمال، ۳۵: ۳۶۹، رقم: ۷۹۸۸ ←

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت کے امراء اور افسروں کو یہ تحریری ہدایت جاری فرمائی کہ وہ اپنی رہائش گاہیں بلند و بالا نہ بنائیں کہ ایسا عمل بدترین دور کی علامت ہے۔‘‘

۲۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اور حکمنامہ (Directive) تمام حکام اور افسران کے نام جاری فرمایا۔ اس حکم نامہ میں درج ذیل نکات (Points) شامل تھے:

۱۔ أن لا یأکل نقیاً

’’کہ وہ غیر معمولی کھانے نہ کھائیں‘‘

۲۔ ولا یلبس ثوباً رقیقاً

’’اور نہ اعلیٰ، زیادہ قیمتی اور نفیس کپڑا پہنیں‘‘

۳۔ ولا یرکب برذوناً

’’اور نہ ہی اعلیٰ گھوڑوں (سواریوں) پر سواری کریں‘‘

۴۔ ولا یغلق بابه دون حوائج الناس. (۱)

’’اور ضرورت مندوں کے لئے اپنا دروازہ بند نہ کرے۔‘‘

۳۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حکمرانوں کو قیمتی لباس پہننے سے منع فرمایا۔ اگر کوئی افسر قیمتی لباس پہنتا تو آپ رضی اللہ عنہ اسے سزا دیتے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ آپ کا ایک اعلیٰ افسر

۴۔ عسقلاني، تهذيب التهذيب، ۱۲: ۴۹۹، رقم: ۲۹۵۸

(۱) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ٦: ۴٦۱، رقم: ۳۲۹۲۰
۲۔ طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۵٦۹
۳۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۲۵
۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ٦: ۲۴، رقم: ۷۳۹۴

عیاض بن غنم قیمتی لباس پہنتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک ایلچی محمد بن مسلمہ کو بھیجا اور اسے فوراً طلب فرمایا۔ ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) آپ رضی اللہ عنہ کا قول ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

ائتني به على الحال التي تجده عليها. قال: فأتاه فوجد على به حاجبًا فإذا عليه قميص رقيق. قال: أجب أمير المؤمنين. فقال: دعني أطرح علي قبائي. فقال: لا، إلا على حالک هذه. قال: فقدم به عليه، فلما رآه عمر قال: انزع قميصک ودعا بمدرعة صوف وبريضة من غنم وعصا فقال: البس هذه المدرعة وخذ هذه العصا وارع هذه الغنم.[1]

''اس (عیاض بن غنم) کو جس حال میں پاؤ اسی حالت میں میرے پاس لے آؤ۔ راوی کہتا ہے: محمد بن مسلمہ نے اس حال میں پایا کہ وہ پردہ گرائے ہوئے تھا اور قیمتی قمیص پہنے ہوئے تھا۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین (کے بلاوے کا) جواب دو (یعنی امیر المومنین نے بلایا ہے) تو اس نے کہا کہ ٹھہرو میں اپنی قبا پہن لوں۔ اس (محمد بن مسلمہ) نے کہا: نہیں بلکہ اسی حال میں ہی (بلایا ہے) راوی کہتا ہے: وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو فرمایا: اپنی قمیص اتار دے اور صوف کا ایک جبہ، بھیڑوں کا ایک ریوڑ اور ایک چھڑی منگوائی اور (اس سے) کہا کہ یہ جبہ پہن اور یہ چھڑی لے اور ان بھیڑوں کو چرا۔''

www.MinhajBooks.com

الغرض اپنی دور رس حکمتِ عملیوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ریاست میں ایسا عظیم اقتصادی و معاشرتی نظام قائم فرمایا جس سے معاشرے میں ہر سطح پر ظلم و جبر اور

(۱) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۶

تعیش پرستی کا کلیتًا خاتمہ ہو گیا اور ایک صحیح اسلامی فلاحی ریاست معرض وجود میں آ گئی، تاریخ جس کی مثال آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

www.MinhajBooks.com

فصل ششم

حرام ذرائع معیشت کا اِنسداد

www.MinhajBooks.com

اِسلام مال کمانے سے نہیں روکتا لیکن وہ اس ضمن میں انسان کو شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑتا بلکہ اکتسابِ مال میں جائز اور ناجائز کی نشاندہی کرتا، وسائل مال میں حلال و حرام میں تمیز کرنے کا سبق دیتا اور حرام سے اجتناب اور حلال کو اپنانے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام کسی بھی شخص کو مال کمانے کی غیر مشروط اجازت نہیں دیتا بلکہ اکتسابِ مال کے بعض ذرائع کو جائز قرار دیتا ہے اور بعض کو ناجائز، معاشی معاملات میں جائز اور ناجائز، حلال اور حرام کی اساس یہ ہے کہ تمام وہ ذرائع جن میں دوسرے شخص کی ضرورت، مجبوری، سادہ لوحی یا ناتجربہ کاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہو یا دھوکہ دہی یا جبر سے کسی کا مال ہتھیا لیا گیا ہو، وہ تمام وسائل اور ذرائع شریعت میں ممنوع اور خلافِ قانون ہیں۔

اسلام نے اکتسابِ مال کے ان تمام ذرائع کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے جن سے احکامِ خداوندی اور اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی ہوتی ہو نیز وہ امور جن سے دوسرے افراد یا من جملہ اجتماعی طور پر پوری قوم وملت، وطنِ عزیز یا معاشرے کو مادی یا اخلاقی نقصان پہنچ سکتا ہو یا ایسے تجارتی طریقے جن سے دوسرے فریق کا استحصال ہو حرام ذرائع معاش کے زمرے میں آتے ہیں۔ اسلامی نظامِ معیشت میں اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے باب میں جن پابندیوں کی نشاندہی کی ہے وہ اس لئے بھی ہیں کہ یہاں نظامِ معاش کے ساتھ ساتھ معاد اور اخلاق کا عملی تصور بھی موجود ہے۔ یہاں معاشی جدوجہد صرف دنیاوی جاہ وعزت، آرام و سکون یا عیش وعشرت کے لئے نہیں بلکہ اس جدوجہد کے ذریعے آخرت کی تیاری، حصولِ رضائے خداوندی اور پیروئ پیغمبرِ اسلام ﷺ

بھی مقصود ہے۔

دینِ اسلام نے جہاں ایک طرف جائز اور حلال ذرائع معیشت کی نشاندہی کی ہے وہاں دوسری طرف ناجائز اور حرام ذرائع معیشت کو واضح طور پر بیان کیا ہے، ذیل میں اہم حرام ذرائع معیشت درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ اَکلِ حرام

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ قف وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا○ (۱)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے○‘‘

۲۔ خیانت

۱۔ **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○** (۲)

’’اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (ﷺ) سے (ان کے حقوق کی ادائیگی میں) خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (سب حقیقت) جانتے ہو○‘‘

---

(۱) النساء، ۴: ۲۹

(۲) الانفال، ۸: ۲۷

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا.[۱]

’’بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں۔‘‘

۳۔ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.[۲]

’’اور جو کوئی (کسی کا حق) چھپاتا ہے تو قیامت کے دن اسے وہ لانا پڑے گا جو اس نے چھپایا تھا۔‘‘

۳۔ رشوت

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○[۳]

’’اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ الراشي والمرتشي في النار.[۴]

---

(۱) النساء، ۴: ۵۸

(۲) آل عمران، ۳: ۱۶۱

(۳) البقرة، ۲: ۱۸۸

(۴) ۱۔ طبراني، المعجم الصغير، ۱: ۵۷، رقم: ۵۸

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۲۹۶، رقم: ۲۰۲۶

۲۔ ديلمي، الفردوس مأثور الخطاب، ۲: ۲۸۴، رقم: ۳۳۱۴

’’رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا (دونوں) جہنمی ہیں۔‘‘

۲۔ لعنة الله على الراشي و المرتشي.(۱)

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے (دونوں) پر اللہ کی لعنت ہے۔‘‘

۳۔ لعن الله الراشي و المرتشي.(۲)

’’اللہ تعالیٰ نے رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔‘‘

۴۔ لعن رسول الله ﷺ الراشي و المرتشي.(۳)

’’رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔‘‘

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأحكام، باب التلغيظ في الحيف والرشوة، ۲: ۷۷۵، رقم: ۲۳۱۳

۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۱۴۸، رقم: ۱۴۶۶۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۱۲، رقم: ۶۹۸۴

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۸۷، رقم: ۹۰۱۱

۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۱۴۸، رقم: ۱۴۶۶۸

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۳: ۳۹۸، رقم: ۹۵۱

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، ۳: ۶۲۳، رقم: ۱۳۳۷

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأقضيه، باب في كراهية الرشوة، ۳: ۳۰۰، رقم: ۳۵۸۰

۴۔ اُمراء و حکام کو تحائف

کوئی کام کروانے کے لئے امراء و حکام کو تحائف دینا یا ان کا وصول کرنا حرام ہے کیونکہ یہ بھی درحقیقت رشوت ہی کی ایک شکل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس امر کو سختی سے ناپسند فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ **الهدايا للأمراء غلول.** (۱)

''امراء کے لئے تحائف خیانت ہیں۔''

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

يا أيها الناس من عمل منكم لنا على عمل فكتمنا منه مخيطاً فما فوقه فهو غل يأتي به يوم القيامة. فقام رجل من الأنصار أسود كأني أنظر إليه، فقال: يا رسول الله! اقبل عني عملک، قال: وما ذاک؟ قال: سمعتک تقول كذا و كذا، قال: وأنا أقول ذلک من استعملناه على عمل فليأت بقليله و كثيره فما أوتي منه أخذه وما نهي عنه انتهى. (۲)

''اے لوگو! تم میں سے کوئی ہمارے کام پر عامل بنایا گیا پھر اس میں سے سوئی یا اس سے اوپر کوئی چیز ہم سے چھپائی تو وہ خائن سے قیامت کے دن وہ لائے گا، ایک سیاہ رنگ والے انصاری صحابی کھڑے ہو کر بولے: یا رسول اللہ! مجھ

www.MinhajBooks.com

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۱۴۷، رقم: ۱۴۶۶۵

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأقضيه، باب في هدايا العمال، ۳: ۳۰۰، رقم: ۳۵۸۱

۲۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۴: ۵۳، رقم: ۲۳۳۸

سے اپنا عمل (نوکری) لے لیجئے۔ فرمایا: کیا ہوا؟ عرض کی کہ میں نے آپ کو یہ یہ کہتے سنا۔ فرمایا: یہ تو میں کہتا ہوں کہ ہم جسے کسی کام پر عامل بنائیں تو وہ تھوڑا اور بہت حاضر کر دے پھر اس سے اسے جو دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔‘‘

۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من شفّع لأحد بشفاعة فأهدى له هدية عليها فقبلها فقد أتى باباً عظيماً من أبواب الربا. (۱)

’’جو کسی شخص کی سفارش کر دے پھر اسے وہ اس سفارش پر ہدیہ دے اور وہ اسے قبول کر لے تو وہ سود کے دروازوں میں سے بڑے دروازے پر آ گیا۔‘‘

۵۔ سودی لین دین

۱۔ حرمتِ سود بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (۲)

’’جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الاجاره، باب الهدية لقضاء الحاجة، ۳: ۲۹۱، رقم: ۳۵۴۱

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۶۶، رقم: ۳۹۸۷

(۲) البقرة، ۲: ۲۷۵

شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید وفروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جس نے پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے o‘‘

۲۔ يَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍo(۱)

’’اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتاo‘‘

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo(۲)

’’اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤo‘‘

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَo فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَo(۳)

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۷۶

(۲) آل عمران، ۳: ۱۳۰

(۳) البقرۃ، ۲: ۲۷۸۔۲۷۹

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو o پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے o‘‘

قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں بھی سود کی حرمت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لعن رسول الله ﷺ آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال: هم سواء.(۱)

’’رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: گناہ میں یہ سب برابر ہیں۔‘‘

۲۔ ایک اور جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

الربا سبعون حوبًا أيسرها أن ينكح الرجل أمه.(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله ۳: ۱۲۱۹، رقم: ۱۵۹۸
۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۷

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۴
۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۶، رقم: ۲۵۸۴

''سود کے ستر (۷۰) جز ہیں سب سے کم درجہ کے جز کا گناہ اس قدر ہے جیسے آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔''

قرآن و حدیث میں مذکورہ بالا حرمتِ سود اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ سود ایک بہت بڑی لعنت ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ اس کے علاوہ سود اپنے اندر اخلاقی، روحانی، معاشرتی اور دیگر بے شمار برائیاں لئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام الاقتصاد میں سود حرام ذرائع معاش میں شامل کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں نہ صرف افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ سود یا سودی کاروبار سے چشم پوشی کریں بلکہ اسلامی ریاست کے حکمران اور مقتدر حضرات اس کے انسداد کے لئے آگے بڑھیں۔ ایسے قوانین اور ان کا سختی سے نفاذ ہو جو سود کی بیخ کنی کر سکیں۔

۶۔ معاشرتی برائیاں

جوأ، شراب، دیگر منشیات، اخلاق سوز رقص، گانے، فلمیں، فال گیری وغیرہ جس معاشرے میں مذکورہ بالا برائیاں ہوں وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے اور بے شمار معاشی برائیاں (Economic Evils) بھی جنم لے لیتی ہیں۔ ایسی تمام برائیوں سے قرآن مجید میں شدت سے منع کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○[۱]

''اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوأ اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سو تم ان سے (کلیتًا) پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ○''

(۱) المائدة، ۵: ۹۰

۷۔ قحبہ گری و عصمت فروشی

اسلام نے قحبہ گری و عصمت فروشی کو حرام قرار دیا ہے اس طرح اس سے حاصل کردہ آمدنی بھی حرام ہے۔ قرآن مجید میں اس کی ممانعت کرتے ہوئے ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰـكُمْ ط وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥(۱)

’’اور ایسے لوگوں کو پاکدامنی اختیار کرنا چاہئے جو نکاح (کی استطاعت) نہیں پاتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرما دے، اور تمہارے زیرِ دست (غلاموں اور باندیوں) میں سے جو مکاتب (کچھ مال کما کر دینے کی شرط پر آزاد) ہونا چاہیں تو انہیں مکاتب (مذکورہ شرط پر آزاد) کر دو اگر تم ان میں بھلائی جانتے ہو، اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے، اور تم اپنی باندیوں کو دنیوی زندگی کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن (یا حفاظتِ نکاح میں) رہنا چاہتی ہیں، اور جو شخص انہیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور ہو جانے کے بعد (بھی) بڑا بخشنے والا مہربان ہے ٥‘‘

۲۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا ٥(۲)

(۱) النور، ۲۴: ۳۳

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۲

’’تم زنا (بدکاری) کے قریب بھی مت جانا بیشک یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت ہی بری راہ ہے○‘‘

۸۔ چوری، لوٹ مار، دھوکہ اور ظلم وغصب

یہ بھی سماجی برائیاں ہیں جو کہ کسی بھی معیشت پر منفی اثرات ڈالتی ہیں۔ اسی لئے ان سے حاصل شدہ آمدنی کو حرام قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ○[1]

’’اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اس (جرم) کی پاداش میں جو انہوں نے کمایا ہے۔ (یہ) اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا (ہے)، اور اللہ بڑا غالب ہے بڑی حکمت والا ہے○‘‘

۹۔ اخسارِ میزان اور احتکار

ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں اور زیادہ نفع حاصل کرنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ○[2]

’’بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے○ یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں○ اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں○‘‘

---

(۱) المائدۃ، ۵: ۳۸

(۲) المطففین، ۸۳: ۱۔۳

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من احتكر فهو خاطئ. (۱)

''احتکار (ذخیرہ اندوزی) کرنے والا گنہگار ہے۔''

۱۰۔ گداگری

یہ ایک ایسا فعل ہے جو انسان کو کام چور، معاشی جدوجہد سے دور اور قناعت سے روگردانی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سے اخلاقی، سماجی اور معاشی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں گداگری کی مذمت کی گئی ہے۔ احادیثِ نبوی ﷺ میں ہے:

۱۔ **اليد العليا خير من اليد السفلى.** (۲)

''اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔''

۲۔ **ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة وليس في**

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم الاحتكار في الأقوات، ۳: ۱۲۲۷، رقم: ۱۶۰۵

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۴۴۵، رقم: ۱۰۸۶

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۹، رقم: ۱۰۹۳۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ۲: ۵۱۸، رقم: ۱۳۶۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى وأن اليد العليا هي منفعة وأن اليد السفلى هي الآخذة، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۳

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في الاستعفاف، ۲: ۱۲۲، رقم: ۱۶۴۸

وجهه مزعة لحم. (۱)

’’ہمیشہ آدمی لوگوں سے مانگتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کا دن آ جائے گا اور اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔‘‘

۳۔ لأن يحتزم أحدكم حزمة من حطب فيحملها على ظهره فيبيعها خير له من أن يسأل رجلاً فيعطيه أو يمنعه. (۲)

’’اگر تم میں سے کوئی لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لادے پھر ان کو بیچ دے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اس بات سے کہ وہ لوگوں سے مانگے، معلوم نہیں کہ وہ دیں یا نہ دیں۔‘‘

مذکورہ بالا اور اس نوع کے دوسرے ذرائع جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں حصول دولت کے حرام ذرائع ہیں جن کا انسداد ضروری ہے ان کے قلع قمع اور حوصلہ شکنی میں فرد اور ریاست دونوں ذمہ دار ہیں۔

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثراً، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب كراهية المسألة للناس، ۲: ۷۲۰، رقم: ۱۰۴۰

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب المسألة، ۵: ۹۴، رقم: ۲۵۸۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب كراهية المسألة للناس، ۲: ۷۲۱، رقم: ۱۰۴۲

۲۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب المسألة، ۵: ۹۳، رقم: ۲۵۸۴